مصباح علی

حاصلِ کشتِ خوں 1

رکی ہوئی برسات کی سیلن میں حبس بڑھتا جارہا تھا۔ وہاں پر موجود جم غفیر نے گھٹن مزید بڑھادی۔ سانولے، گہرے سانولے، گورے، بچے بوڑھے، جوان، عورت مرد سب طرح کے لوگ موجود تھے۔ ایسا لگتا تھا آج سارا شہر مسافر بنا اڈے پر آرکا ہے۔ ریڑھیاں، ٹھیلے، بے ہنگم آوازیں اور رش۔ اس رش کو چیرتی مختاراں اس کا ہاتھ تھامے تیزی سے لاری کی سمت بڑھ رہی تھی۔ وہ ایک ہاتھ میں چھوٹی سی گٹھڑی اور دوسرے ہاتھ سے گھونگھٹ سنبھالے کھنچتی گئی۔ ماسی مختاراں کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ ایک قدم اٹھائے اور اڑ کر اپنی بھتیجی زہرہ کے پاس پہنچ جائے۔ اس سے جدائی کے لمحات سوچ سوچ کر آواز بھرا جاتی، آنکھیں برسنے لگتیں۔

انبالہ سے قصور ہجرت کے وقت ان کا قافلہ دو حصوں میں بٹ گیا تھا۔ پاکستان آکر کوئی کہیں، کوئی کہیں پہنچ گیا۔ بہت ملنے کی کوشش کی، لیکن اللہ کو منظور نہ تھا۔ خاندان کے تقریباً سب لوگوں کا پتا چل گیا، صرف زہرہ اور اس کی ماں کا کچھ پتا نہ چلا۔ چار سال بعد کسی نے بتایا وہ بہاول پور کی کسی مندر نما حویلی میں دیکھی گئی ہیں۔ ماں نے مرنے سے پہلے

مکمل ناول

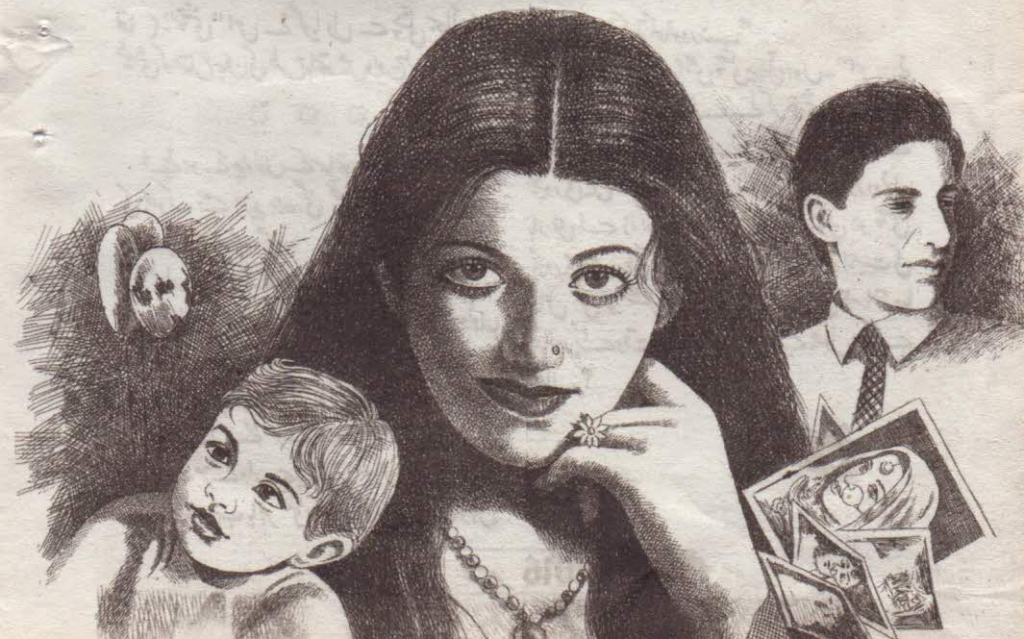

شادی کردی' زہرہ کے سر کا سائیں بہت ہی خوب صورت ہے۔

مختاراں پتا لے کر ڈھونڈتی ڈھانڈتی وہاں تک پہنچی پتا چلا کچھ دن پہلے ہی اس کے سائیں کو نوکری مل گئی اور یہاں سے چلے گئے۔ اتا پتا کسی کے پاس نہیں۔ وقت پندرہ چوبارے چڑھ گیا' لیکن یاد اسی طرح دل کی گلیوں میں بھٹکتی رہی۔ اب پچھلے مہینے کسی پرانے ملنے والے نے اسے لاہور میں دیکھا تھا۔ پتا لا کر مختاراں کو تھمایا۔ اس نے اب کے چلنے سے پہلے خط ڈال کر اپنے آنے کی اطلاع دی' مبادا اب پھر نہ آگے پیچھے ہو جائے۔۔۔ خوشی ماسی مختاراں کے چہرے سے پھوٹتی تھی وہ بس میں بیٹھی مسلسل زہرہ کا ذکر کرتی رہی۔

"زہرہ کو گھٹی میں نے دی تھی' بچپن سے میرے ساتھ رہی' کھایا' پیا' سوئی۔۔۔ بالکل میرے جیسی ہے' عمر تیرے جیسی ہوگی۔" سو بار کے ستے ہوئے زہرہ نامہ میں بی بی کو قطعاً" دلچسپی نہیں تھی' وہ بس اتنا سوچتی رہی' جب بچھڑے ملتے ہیں تو کیا اتنی ہی خوشی ہوتی ہے' کیا میرا کوئی اپنا ہے' دل مٹھی میں جکڑ گیا۔ آواز آئی۔

"میرا کون ہے۔۔۔ میرا بھلا کوئی کیسے ہو سکتا ہے' تنہا تھی' تنہا ہوں۔" اس کی سوچوں کا ارتکاز ماسی کے ٹھوکے نے توڑا۔ جانے کس وقت اس نے بھنے چنے خریدے' کاغذ کا لفافہ اس کی سمت بڑھاتے کہہ رہی تھی۔

"لے کھالے' بھوک لگی ہوگی۔۔۔ میری زہرہ کو چنے بڑے ہی پسند ہیں' میرے ہاتھ کی چاٹ پر جان دیتی تھی۔" اس نے ٹھوڑے سے چنے اپنے ہاتھ میں اٹھالیے۔ بھنے ہوئے کالے چنے اور اس کے جھریوں زدہ سیاہ ہاتھ دونوں ایک سے لگ رہے تھے بھٹی میں اچھل اچھل کر پکے ہوئے۔

"یہ تو تقسیم نے وچھوڑے ڈال دیے' ورنہ اپنوں سے جدائی کا کوئی کیوں سوچے۔" ماسی پھر شروع ہوگئی۔ چھک چھک کرتی لاری' گول بجری سے بنی پکی سلیٹی سڑک پر آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ لاری میں بیٹھے ہر شخص کی الگ داستان تھی۔ تقریباً" ڈیڑھ دہائی مکمل ہونے کو آگئی' لیکن لوگوں کی جدائی کے قصے ختم ہونے کو نہ آتے۔ جہاں دو لوگ اکٹھے ہوئے' باتوں میں آنسو ڈیرہ ڈال لیتے۔ اڈے پر پہنچتے ہی وہ تانگہ روک اور بیٹھ گئیں۔ گھوڑا بڑی سڑک پر بھاگتا تنگ گلیوں میں جانے لگا۔ ایک قدرے تنگ گلی کے نکڑ پر رکا اور کوچوان بولا۔

"لو بھئی بیبیوں' آگیا۔"

ماسی اسے پیسے ادا کر' گٹھری بی بی کو پکڑا اور بے تابی سے گلی میں داخل ہوئی' وہ تھکے کمشدہ مسافر کی طرح مرے قدموں سے پیچھے چل رہی تھی۔ ماسی مختاراں کو اپنی زہرہ واقعی مل گئی تھی۔ دونوں بے تابی سے لپٹیں۔ ایک دوسرے کے گال' آنکھیں' ہاتھ چومے۔ زہرہ کی سوالیہ نظروں پر خالہ نے ہلکا سا سر ہلا کر اس کا تعارف کرایا۔ پھر وہ ان دونوں کو اندر پکے کمرے میں لے گئی' مسہری پر بٹھایا۔۔۔ سرخ سیمنٹ کا پکا فرش' دیواروں پر پلستر کے ساتھ روغن بھی چڑھا تھا۔ تین کمروں کا چھوٹا سا صاف ستھرا گھر۔ ضرورت کا بستر سامان' آسودگی ظاہر کرتا تھا۔ پھر تقریباً" آٹھ برس کا گول مٹول سا بچہ نانی سے ملنے آیا۔ اس کی آنکھیں ہونٹ' بی بی کو کہیں دیکھے بھالے لگ رہے تھے۔ اس نے چاہا اس کے پاس بیٹھے' وہ اسے غور سے دیکھے محسوس کرکے یاد کرے' مگر وہ بچہ تھا' اس کی اکھڑی' کٹی پھٹی گہری سیاہ رنگت سے خوف زدہ ہو کر سلام کرکے نانی کے پاس ٹک گیا۔ وہ گردن کو خم دیے ترچھی نظروں سے اسے تکے جا رہی تھی۔ وہ نانی کے ساتھ جڑا بیٹھا مسلسل پاؤں ہلا رہا تھا۔

"اتنا بڑا ہو گیا تو' مگر کھوتوں کی طرح کھر بجانے نہ چھوڑے' پاؤں مت ہلایا کر' رشتوں پر نحوست پڑتی ہے۔" جواباً" اس نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

"اماں! رشتے پاؤں پر بندھے ہیں' جو ہل کر گر جائیں گے۔" بی بی اپنے کانوں کی گونج پر چونکی' اس کی سانس سمٹی اور نظروں کا رخ بدل لیا۔ بچہ ابھی بھی

پاؤں ہلا رہا تھا۔

سفید گوری رنگت، بیضوی مسکراتا سا چہرہ، بڑی بڑی سیاہ آنکھوں پر گھنیری لمبی پلکیں، بھرے بھرے نارنجی ہونٹ، وہ کھڑی ناک کو مزید سمیٹتے لجلجائے انداز میں اندر داخل ہوئی۔ وہ تقریباً بارہ برس کی ہوگی۔ سلور کی ٹرے میں دو گلاس لال شربت کے رکھے سلام کرتے ہوئے ان کے سامنے کیے۔ بی بی اسے دیکھتے ہی اگلا سانس لینا بھول گئی تھی۔

کون ہے یہ، ایسے جیسے بہت عرصے سے جانتی ہو، جیسے ہمیشہ سے اس کے آس پاس رہی ہو، وہی نین نقشہ، مسکراتے ہوئے بائیں رخسار پر گڑھا، آخر اسے کہاں دیکھا، کہاں ملی ہے، کچھ یاد نہ آیا۔

"بی بی! پانی لے لے، ایمان سے بڑی گرمی ہے۔"

ماسی مختاراں نے اسے متوجہ کیا اور اپنا گلاس ایک سانس میں اٹھا چڑھا گئی۔ وہ ڈکار لے کر دونوں بچوں کو بازوں میں دبوچے چٹاچٹ چوم رہی تھی، زہرہ بھی پھوپھی سے لپٹ لپٹ جاتی۔ پائنتی پر ٹکی لجلجائی لڑکی ایک آدھی نگاہ بی بی پر ڈالتی پھر مسکرا کر سمٹ جاتی۔

وہ بولتا ہوا گھر میں داخل ہوا تھا۔ ان وقتوں میں دن دیہاڑے دروازے مقفل کرنے کا رواج نہیں تھا۔ وہ کچھ کہتا ہوا سیدھا اندر کی جانب آرہا تھا۔ شاید اس کے ساتھ بھی کوئی بچہ تھا جسے قائل کرنے لگا۔

"یار ایک تو تو بات نہیں مانتا، ہر بار غلط ضد، جانور ہمیشہ ایک رنگ کا پیارا لگتا ہے، سفید والا کتنا پیارا تھا، وہ کالے والا بھی اچھا تھا.... پر نہ جی تجھے تو وہ چت کبرا میمنا پسند آرہا ہے، مجھے تو وہ گھر میں اچھلتا کودتا ذرا نہیں بھائے گا۔" وہ قریب بڑھتی آواز نہیں تھی کوئی پگھلتا ہوا گرم سیسہ تھا۔ اس کے کانوں میں ٹپکتا گیا۔ بی بی کا وجود گمنام بے جان چیز کی طرح ساکت ہوا، بھنبھیری میں دھنستا جارہا تھا۔ دل اس قدر تیز دھڑکا جیسے پھٹ جائے گا اور اس نے چاہا کہ اب یہ پھٹ ہی جائے۔

اس کی آواز پر پھوپھی اور زہرہ اٹھیں اور باہر نکل گئیں۔ ماسی کے آنے کی انہیں خط کے ذریعے اطلاع تھی۔ وہ خود لینے آجاتا اگر پھوپھی خط میں اپنا پتا بھی لکھوا دیتی۔ انہیں پھوپھی کے ملنے کی بہت خوشی اور آنے کا انتظار تھا اور اس وقت ان کی سلام دعا کی آوازوں سے خوشی چھلکتی تھی۔ بی بی نے کسی خیال کے تحت چادر کا پلو قدرے آگے کرلیا۔ اس کی بھاری آواز پر بدن ہولے ہولے لرزا اور کمرے میں داخل ہوتے قدموں کی چاپ پر جسم کے ہر مسام سے پانی پھوٹ پڑا، ہاتھ پاؤں یخ ٹھنڈے ہوگئے۔ اس نے کپکپاتے ہوئے پیٹھ دروازے کی جانب کرلی اور پلو بائیں رخسار پر اچھا خاصا آگے کرلیا۔ وہ اس کو دیکھ کر ٹھٹکا۔ چوکھٹ پر رک، زہرہ کو استفہامیہ نگاہ سے دیکھا۔ جواباً وہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

"یہ پھوپھی کی بیٹی ہے۔"

"ہیں...." اسے حیرت ہوئی۔

"ہاں.... بیٹی ہی ہے، اور ان کے ساتھ رہے گی۔" وہ احتراماً کھڑی ہوچکی تھی۔ اس نے اسے

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

Herbal

سوہنی شیمپو

SOHNI SHAMPOO

اس کے استعمال سے چند دنوں میں خشکی ختم

گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے

بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے

قیمت -/90 روپے

رجسٹری سے منگوانے پر اور منی آرڈر سے منگوانے والے

دو بوتلیں -/250 روپے تین بوتلیں -/350 روپے

اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

بذریعہ ڈاک سے منگوانے کا پتہ

بیوٹی بکس 53، اورنگزیب مارکیٹ، ایم اے جناح روڈ، کراچی۔

دستی خریدنے کے لیے:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار کراچی۔ فون نمبر 32216361

"بیٹھو بیٹھو۔" کہا اور پھوپھی سے سفر کے متعلق پوچھنے لگا۔

"آپ لوگ خیریت سے پہنچ گئے، کوئی پریشانی، تکلیف تو نہیں ہوئی، گھر آسانی سے مل گیا۔" اس نے ڈرتے ڈرتے اک ترچھی نگاہ سے اسے دیکھا۔ وہ تقریباً پینتیس، چھتیس سال کا مضبوط جثے والا مرد تھا۔ وقت کے ساتھ شخصیت میں مردانگی اور رعب بڑھ گیا۔ کچھ سرکاری دفتروں میں اٹھنے بیٹھنے سے سراپے میں مزید نکھار آگیا۔ وہ پھوپھی سے مخاطب تھا اور بی بی ڈری ڈری چور نگاہ سے اس کا سراپا دیکھ رہی تھی۔ اس کے سوکھے کانپتے ہونٹ دانتوں نے بھینچ لیے، نگاہ اس کی سنہرے تلے والی جوتی پر گڑی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"مبرا پتر... او کہاں ہے تو...؟" وہ کھرے کے پاس بیٹھی تھاپی مار مار کپڑے دھو رہی تھی۔ تایا صلاح الدین کی آواز کیسے اس تک آئی۔ اس کا دھیان بار بار پیان کی جانب بھٹکتا تھا۔ اس کی موجودگی میں کپڑے دھونے کا لطف ہی الگ تھا۔ اور کپڑے کیا ہر کام ہی۔ اس کی نگاہیں اس کے سارے وجود کو گرما دیتی تھیں۔ ہری چرن نے جب سے ان کے کپڑے دھونے سے انکار کیا تھا، اچھا خاصا مسئلہ بن گیا تھا۔ تائی ثریا کے کندھے جوڑ سردی سے اینٹھ جاتے۔ مبرا نے ان کے کندھے دباتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"تائی جی! کپڑے ہوتے ہی کتنے ہیں، دو تو جی ہیں۔ تایا اور..." وہ لمحہ بھر رکی، موتیے کی کلی جیسے چہرے پر زعفرانی سایہ پڑا۔

"اور اس کے... میں دھو لیا کروں گی۔" ہری چرن نے بڑا سا میلا گٹھڑ واپس کیا تھا۔ اس نے کاسٹک سوڈے کا پتلا پتلا سا صابن رکایا، تسلا کھرے میں رکھ، چوکی پر بیٹھ کپڑے دھونے لگی۔ وہ باہر جانے کی غرض سے قریب سے گزرا تھا۔ ناتا جاڑا، ٹھنڈا پانی، سردی سے اکڑی پتلی پتلی انگلیاں۔ سفید ملائی جلد پر نیلگوں رگوں کا جال۔ وہ لمحہ بھر ہی دیکھ سکا۔

"ٹھنڈے پانی میں کیوں دھو رہی ہے... رک ذرا...!" اسے کہہ کر اس نے مٹی کے چولہے میں اور لکڑیاں ڈالیں۔ تانبے کا گاگر اس پر چڑھایا۔ تھوڑی دیر میں پانی کھولنے لگا تو اتار اس کے قریب رکھ دیا۔ وہ شرمساری سے اسے دیکھتے کہہ رہا تھا۔

"آئندہ زیادہ گندے نہیں کروں گا۔" لمبی سیاہ پلکوں کا خم دار سایہ آتشیں گالوں پر کانپنے لگا۔ دھڑکن بے حد تیز۔ اس کے سامنے پہلے کبھی یہ کیفیت نہیں ہوئی تھی۔ بے شک کچھ معمول سے ہٹ کر ضرور ہوتا تھا، مگر ان دو مہینوں میں اس کی نگاہ محسوس ہوتے ہی بدن ہولے ہولے لرزتا۔ لفظ کانپ جاتے وہ بمشکل کہہ پائی۔

"گندے...! یہ تو میلے ہی نہیں ہیں۔" وہ استہزائیہ گردن مار چولہے کی جانب بڑھا۔ جلتی لکڑی باہر نکال، زور سے فرش پر ماری۔ ٹوٹے نارنجی انگارے انگھیٹی میں بھر اس کے قریب رکھ باہر نکل گیا تھا۔ اسے دیکھ کر ساگ کی گندلیں چھیلتی تائی ثریا کے ہونٹ مبہم سے پھیلے تھے۔

"ابھی صرف دو بول پڑھائے ہیں تو یہ عالم ہے، جس دن باقاعدہ گھر والی بن جائے گی، پھر جانے کیا کرے گا۔"

"خیر!" وہ مسکرائیں۔ ان کے لیے اس سے بڑھ کر کیا خوشی تھی کہ وہ خوش ہے۔

"بس جلدی سے وہ دن آجائے کہ اس کا سہرا کھلے، بچوں کا انگنا میں شور ہو۔"

پھر جب، جب وہ کپڑے دھوتی وہ معمول کی طرح پانی گرم کر کے اس کے قریب دھر جاتا، ایک طمانیت سی اندر تک بھر جاتی تھی۔ موسم بدل گیا نل کا پانی ہی اچھا آنے لگا۔ پھر پانی گرم نہ کرتا دو تین بالٹیاں بھر کر کھرے میں رکھ جاتا، لیکن آج وہ جلدی میں تھا بھول گیا۔ وہ کچھ دیر منتظر رہی پھر پانی بھر کر کپڑے دھونے لگی۔ ہنڈیا بھونتی تائی نے چھیڑا۔

"کچھ دیر انتظار کر لے، ورنہ کپڑے تو دھوئے گی، تھک وہ جائے گا۔" وہ شرم سے دہری ہو گئی۔ ہر طرف

پیان مچلنے لگا۔ اس کی ہلچل تایا صلاح الدین کی دوسری تیسری پکار نے توڑی۔

"میرا پتر' لالٹین لادے' آج ڈھکن لگوالاتا ہوں۔ اور بھی جو چیزیں ہیں ٹھیک کروانے کی نکال دے' جلدی کر شاباشے۔" دو مہینے سے لالٹین کی کپی کا ڈھکن جانے کہاں گر گیا تھا۔ مل کر نہ دیا۔ دو' تین بار پیان نے لکڑی کا ڈاٹ اس میں اڑایا' مگر جب تیل ڈالتی پھنسانا بھول جاتی۔ ایک دو بار موم جامے کا ٹکڑا رکھ دھاگہ باندھا' وہ لپیٹنا بھول گئی۔ ایک بار پیان نے ڈپٹا۔

"اگر تیل گر گیا' آگ لگ جائے گی..."

"احتیاط تیل گرنے نہیں دیتی..."

اور واقعی دو مہینے گزر گئے تھے' تیل نہیں چھلکا تھا۔ اس نے احتیاط کی تھی۔ بے احتیاطی تو حواس باختگی میں ہوتی ہے۔ آج تایا نے ڈھکن لانے کا ارادہ کیا۔ وہ چوکی سے اٹھ کر گھڑونچی کے شہتیر پر لٹکی لالٹین لینے آئی تھی۔ گھڑولے کا سرخ اینٹوں کا فرش' کھرے کے ایک جانب گھڑونچی پر تین گھڑے اور ایک صراحی ہوتی تھی۔ پیان ہمیشہ صراحی کا پانی پیتا تھا۔ ٹھنڈا میٹھا فرحت بخش' لیکن اب وہاں صرف گھڑے تھے' صراحی نہیں تھی' گھڑے میں نل لگا تھا کپڑے' برتن دھونے کے لیے۔ گھڑولے کی دیوار پکی اینٹوں کی جالی نما تھی۔ جہاں سے اندر تازہ ہوا آتی گھڑولا ٹھنڈا رہتا اور باہر بہت دور دور تک دکھائی بھی دیتا تھا۔ وہ شہتیر سے لالٹین اتار' عادتاً' جالی کے قریب آگئی۔ ململ کا فیروزی چنا دوپٹا' پلو دانتوں میں دبا' کالی سیاہ بڑی بڑی آنکھیں سوراخ میں ٹک گئیں۔ مٹی کا صاف چٹیل میدان' پھر کچی سڑک جس کے دونوں اطراف دور دور تک لہلہاتے کھلیان' کسی وقت میں وہ ساڑھے آٹھ قلعے کے کھلیان ان کے تھے' پھر موہن گپتا ان پر قابض ہوگیا۔ جعلی کلیم بنوالیے۔ لڑائی جھگڑا' پنچایت اکٹھی ہوئی۔ ٹھاکروں' راٹھوروں' پنڈت کے علاوہ صلاح الدین' ضیا الدین نے مولوی نظام کو بھی بٹھایا' مگر گپتا نے حمایتی اکثریت کی وجہ سے انہیں دبالیا۔ اس وقت ان کا ساتھ صرف ایک رنداوہ سنگھ نے دیا تھا۔ ایک تو وہ پڑوسی تھا دوسرا دوست۔ اس کی نیّت تو اللہ جانتا تھا' مگر بظاہر گپتا پر چڑھ چڑھ جاتا۔ بے شک وہ اپنی زمینیں گپتا سے چھڑوا نہ سکے' مگر رنداوہ نے حمایت کر کے دل میں خوب جگہ بنالی تھی۔ پھر اسی نے مشورہ دیا۔

"یار صلاح چھوڑ اسے' جو چند قلعے تیرے پاس رہ گئے ہیں' اسی سے اناج روٹی کھالو' قتل' فساد میں کیا رکھا ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی بات دل کو لگی۔ اب اس چٹیل میدان کی اوطاق سے ملحقہ دو قلعے کا کھلیان ان کا تھا۔ لہلہاتی فصل میں اس کے گبھرو کے ٹاپوں کی آواز اپنے دل کی دھک دھک پر حاوی ہوتی چہرہ سرخ کررہی تھی۔ اس آواز میں عجیب سرور تھا۔ جب وہ گیارہ' بارہ برس کی تھی وہ سفید ٹٹو بھگاتا لاتا۔ وہ اور اس کا دوست امرت سنگھ' امرت کا پھوپھی زاد' ارجیت سنگھ۔ تینوں قہقہے لگاتے' سرپٹ ٹٹو بھگاتے۔ ابا' تایا صلاح الدین اور امرت کا باپ رنداوہ سنگھ اوطاق میں لگے بڑکے درختوں کے نیچے چارپائیاں بچھائے اپنے اپنے حقے کی گڑگڑاہٹ میں ان کی حرکتوں پر ہنستے۔ ارجیت ان میں بڑا اور اسکول جانے لگا تھا۔ وہ انہیں اسکول کے قصے سناتا' سرکنڈوں کی عینک لگا' منہ بگاڑ بھاری آواز میں ماسٹر کی نقل اتارتا۔ ان دونوں کے کان پکڑ کر پٹائی شروع اور وہ آگے آگے بھاگتے۔ پھر دھوبی ہری چرن کی گھاٹ سے اس کا گدھا کھول لے جاتے اور سارے گاؤں میں بھگاتے۔ ہری چرن پتھر' شاخیں چھڑیاں' ان پر اچھالتا' گالیاں بکتا ان کے پیچھے پیچھے بھاگتا۔ شرارت کا سرور ایسا تھا۔ اس کے پاس سے ہوا کی طرح گدھا اڑا لے جاتے جب قابو نہ آتے تو وہ ان کے باپوں کے پاس رونے دھونے لگتا۔

"ہری بابا تم بیٹھو ادھر۔" ضیا الدین نے پیر سمیٹتے جگہ بنائی۔

"ابھی آنے دو کمینوں کو' مرغا بنا کر ایک ایک کی خبر لوں گا' گھاٹ پر تمہارے ساتھ کپڑے بھی دھلوائیں گے۔"

"نہیں' نہیں مہاراج۔" وہ ہچکچاتا' ظاہر ہے'